QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

احکامِ صلوٰۃ میں آثارِ صحابہ کی جمع و تحقیق اور تعلیق

Hadith Collections Attributed to the Companions (RA): A Critical Overview and Their Status in Islamic Scholarship

* **محمد اکرم:** پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، لاہور، پاکستان۔

* **ڈاکٹر سید عالم جمال:** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، لاہور، پاکستان۔

Abstract

The Aathār al-Ṣaḥābah (traditions, rulings, and statements of the Companions of the Prophet ﷺ) hold a foundational place in understanding and interpreting the Sharʿī rulings of Islam. While the primary sources of Islamic law are the Qur'ān and Sunnah, the sayings and practices of the Companions (RA) serve as an interpretive bridge that elucidates these divine texts. Their deep understanding, close companionship with the Prophet ﷺ, and practical application of religious principles make their opinions highly valuable in legal and jurisprudential discourse. The study highlights that numerous issues—especially those related to ṣalāh (prayer)—find clarification through the preserved aathār of the Companions. Their contributions are not only confined to worship but also extend to trade, social transactions, and legal judgments. The paper reviews the scholarly consensus on the authoritative nature of aathār al-ṣaḥābah and their acceptance by major jurists such as Imām Abū Ḥanīfah, Imām Mālik, Imām al-Shāfiʿī, and Imām Aḥmad ibn Ḥanbal. It also explores the efforts of later scholars in compiling, categorizing, and systematizing these narrations into specialized works and encyclopedias. The research concludes that the aathār of the Companions serve as a vital interpretative and legislative resource that complements Qur'ānic and Prophetic texts, providing a reliable framework for resolving contemporary and classical jurisprudential debates.

Keywords: *Aathār al-Ṣaḥābah, Islamic Jurisprudence, Sharʿī Rulings, Ṣalāh, Qur'ān and Sunnah, Companions' Opinions, Legal Tradition*

تعارفِ موضوع

اسلامی فقہ و اصول فقہ کے مطالعہ میں آثارِ صحابہ کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن و سنت شریعتِ اسلامی کے اصل ماخذ ہیں، لیکن ان کے مفاہیم و معانی کو متعین کرنے میں صحابہ کرامؓ کے اقوال اور فتاویٰ غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے براہِ راست رسولِ اکرم ﷺ سے تعلیم حاصل کی اور آپؐ کی عملی زندگی کے شاہد رہے، اس لیے ان کے اقوال اور افعال امت کے لیے تشریحی معیار قرار پاتے ہیں۔ فقہاء و محدثین نے ہمیشہ آثارِ صحابہ کو استدلال کے قابل حجت تسلیم کیا ہے۔ خصوصاً احکامِ صلوٰۃ، طہارت اور عبادات کے دیگر مسائل میں ان آثار سے راہنمائی حاصل کی گئی ہے۔ ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء نے ان آثار کے مطابق اپنے فقہی اصول وضع کیے۔ موجودہ دور میں بھی آثارِ صحابہ کی روشنی میں نئے فقہی مسائل کے حل کی راہیں تلاش کی جا رہی ہیں۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

مختلف محققین نے ان آثار کو موضوعاتی انداز میں مرتب کیا اور انسائیکلوپیڈیاز کی صورت میں پیش کیا ہے، جو اس علم کے ارتقاء کی بہترین مثال ہیں۔ یہ مطالعہ اسی تسلسل میں آثارِ صحابہ کی علمی و تحقیقی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

اقوالِ صحابہ کی قدر و منزلت:

اسلامی ائمہ و فقہاء نے اقوالِ صحابہ کی عظمت و اہمیت کو واضح طور پر تسلیم کیا ہے۔ امام بیہقی نے اپنی کتاب المدخل الی السنن الکبریٰ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:" إذا جاء عن النبي ﷺ فعلى الرأس والعين، وإذا جاء عن أصحاب النبي نختار من قولهم، وإذا جاء عن التابعين زاحمناهم" [1]"اگر کوئی بات نبی ﷺ سے ثابت ہو تو وہ سر آنکھوں پر، اور اگر صحابہ سے کوئی بات منقول ہو تو ہم اُن کے اقوال میں سے اختیار کرتے ہیں، اور اگر تابعین کے اقوال آئیں تو ہم اُن سے بھی بحث و اجتہاد کرتے ہیں۔"

سفیان ثوریؒ نے جب امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول سنا تو فرمایا:" نسمع الشديد من الحديث فنخافه، ونسمع اللين منه فنرجوه، ولا نحاسب الأحياء، ولا نقضي على الأموات، نسلم ما سمعنا، ونكل مالا نعلم إلى عالمه ونتهم رأينا لرأيهم"[2]"ہم سخت احادیث سنتے ہیں تو اُن سے ڈرتے ہیں، نرم احادیث سنتے ہیں تو اُن سے امید رکھتے ہیں۔ ہم زندوں کا محاسبہ نہیں کرتے، اور مُردوں پر فیصلہ نہیں دیتے۔ جو بات سنتے ہیں، اسے تسلیم کرتے ہیں، اور جو نہیں جانتے اُسے اُسکے عالم کے حوالے کرتے ہیں، اور اپنی رائے کو اُن (صحابہ) کی رائے کے مقابلے میں متہم سمجھتے ہیں۔"

امام بیہقیؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:"والذي قال سفيان الثوري من (أنَّا نتهم رأينا لرأيهم) إن أراد بهم الصحابة إذا اتفقوا على شيء أو الواحد منهم إذا انفرد بقول ولا مخالف له نعلمه منهم، فقد قال كذلك بعض أصحابنا رضي الله عنهم، وإن اختلفوا فلا بد من الاجتهاد في اختيار أصح أقوالهم"(البيهقي، 1404هـ، رقم ص:204)"اگر سفیان ثوریؒ کی مراد یہ ہے کہ ہم اپنی رائے کو اُس وقت متہم سمجھتے ہیں جب صحابہ کسی مسئلے پر متفق ہوں یا کسی ایک صحابی کا قول منفرد ہو اور اس کے مخالف کوئی اور نہ ہو، تو ہمارے بعض اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ اگر اُن میں اختلاف ہو تو پھر ان کے اقوال میں سے راجح کو اختیار کرنا لازم ہے۔"

امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الرسالہ میں صحابہ کے اقوال کے بارے میں لکھا ہے:"إذا تفرّقوا فيها نصير إلى ما وافق الكتاب أو السنة أو الإجماع أو كان أصح في القياس، وإذا قال الواحد منهم القول لا نحفظ عن غيره منهم فيه له موافقة ولا خلافاً صرت إلى إتباع قول واحدهم إذا لم أجد كتاباً ولا سنة ولا إجماعاً، ولا شيئاً في معناه يحكم له بحكمه أو وجد معه قياس" [3]"اگر صحابہ کے اقوال مختلف ہوں تو ہم اُس قول کو اختیار کرتے ہیں جو قرآن، سنت، اجماع یا صحیح قیاس کے زیادہ موافق ہو۔ اور اگر کسی ایک صحابی کا قول منقول ہو اور دوسرے کسی سے نہ موافقت ہو نہ مخالفت، تو ہم اُس کے قول کی پیروی کرتے ہیں بشرطیکہ اس کے خلاف کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع یا صحیح قیاس نہ ہو۔"

[1] البيهقي، 1404هـ ، رقم ص:111
[2] البيهقي، 1404هـ ، رقم ص:204
[3] الشافعی ، 1357 هـ ، رقم ص: 596 ، 597

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

مجد دین امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب المسودہ فی اصول الفقہ میں امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

"ما أجبت فی مسألة إلا بحديث عن رسول الله ﷺ إذا وجدت فی ذلك السبيل إليه، أو عن الصحابة أو عن التابعين، فاذا وجدت عن رسول الله ﷺ لم أعدل إلى غيره، فإذا لم أجد عن رسول الله ﷺ فعن الخلفاء الأربعة الراشدين المهديين، فإذا لم أجد عن الخلفاء، فعن أصحاب رسول الله ﷺ الأكابر فالأكابر من أصحاب رسول الله ﷺ فاذا لم أجد فعن التابعين وعن تابعي التابعين، وما بلغنى عن رسول الله ﷺ حديث بعمل له ثواب إلا عملت به رجاء ذلك الثواب ولو مرة واحدة" [4]"میں نے کسی مسئلے میں کبھی جواب نہیں دیا مگر اس وقت جب مجھے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث ملی ہو۔ اگر اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا راستہ پاتا ہوں تو اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگر رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کوئی حدیث نہ ملے تو میں خلفائے راشدین میں سے کسی کا قول اختیار کرتا ہوں۔ اگر خلفائے راشدین سے بھی کچھ نہ ملے تو میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بزرگ ترین اصحاب کے اقوال کی طرف رجوع کرتا ہوں، ایک کے بعد دوسرے بڑے کی طرف۔ اگر وہاں سے بھی کچھ نہ ملے تو تابعین اور تبع تابعین کے اقوال دیکھتا ہوں اور جو بھی حدیث رسول اللہ ﷺ سے مجھے ایسی پہنچی جس میں کسی عمل پر ثواب کا وعدہ ہو، تو میں نے اس عمل کو ضرور کیا، اس ثواب کی امید میں، خواہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔"

امام ابن القیمؒ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:

"سلف صالحین کے آثار اور صحابہؓ کے فتاویٰ سے فتویٰ دینا جائز ہے، اور ان پر عمل کرنا متأخرین کے اقوال سے زیادہ درست اور حق کے قریب ہے؛ کیونکہ جتنا زمانہ رسول ﷺ کے عہد کے قریب ہوگا، اتنا ہی اُس کے اقوال زیادہ صواب کے قریب ہوں گے۔[5] آگے جا کر فرمایا: "وأئمة الإسلام كلهم على قبول قول الصحابي" [6]"تمام ائمہ اسلام قولِ صحابی کے قبول کرنے پر متفق ہیں۔"

قولِ صحابی کی حجیت

حجیت قول صحابی کے حوالے سے کئی اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ جب کسی صحابی نے کسی مسئلے میں کوئی قول یا رائے دی، اور اُس سے رجوع نہ کیا اور کسی دوسرے صحابی نے اس کے خلاف کوئی بات نہ کہی اور وہ قول عام طور پر مشہور بھی نہ ہوا—تو یہ قول حجت ہے، خواہ قیاس کے موافق ہو یا مخالف اور خواہ وہ صحابی خلفائے راشدین میں سے ہو یا عام صحابی۔ کیونکہ صحابہ کا اجتہاد تابعین یا بعد والوں کے مقابلے میں زیادہ حق کے قریب ہے، کیونکہ انہوں نے وحی کے نزول کو دیکھا، نبی ﷺ کے ارشادات و حالات سے براہِ راست واقف تھے، ان کا علم، فہم اور اخلاص امت کے باقی لوگوں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (خَيرُ النَّاسِ قَرْنِي) [7]"سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔"

---

[4] مجد دالدين ابن تيمية، رقم ص: 301
[5] ابن القيم ، 1440 هـ ، رقم : 576/4
[6] ابن القيم ، 1440 هـ ، رقم : 583/4
[7] البخاري، 1414هـ ، رقم: 2509

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

اس حدیث کی بنا پر صحابہ کے اقوال غیر صحابہ کے اقوال سے زیادہ لائق اتباع ہیں۔ یہی قول مالکیہ، اکثر حنابلہ، بعض احناف اور امام شافعیؒ کا قدیم قول اور دیگر اہلِ علم کا مذہب ہے۔

متاخرینِ حنابلہ، خصوصاً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہی امام احمدؒ کے مذہب کی صحیح تعبیر ہے۔

دوسرا قول: بعض نے کہا کہ قولِ صحابی حجت نہیں ہے۔ یہ رائے اکثر اصولیین اور بعض متاخر فقہا کی ہے اور اسے امام شافعی کے قول جدید اور امام احمدؒ سے ایک روایت کے طور پر بھی نقل کیا گیا ہے۔

امام ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین میں اُن کے دلائل بیان کرنے کے بعد اُن پر ردّ کرتے ہوئے فرمایا: "بعض متاخرینِ احناف، شوافع، مالکیہ، حنابلہ اور اکثر متکلمین نے کہا ہے کہ قولِ صحابی حجت نہیں جبکہ بعض نے کہا: اگر وہ قیاس کے خلاف ہو تو حجت ہے، ورنہ نہیں۔ کیونکہ اگر وہ قیاس کے خلاف ہو تو وہ صرف توقیفی دلیل سے ہو گا۔"

پھر انھوں نے فرمایا کہ جو لوگ قول صحابی کی حجیت کے قائل نہیں اُن کا کہنا ہے: "صحابی بھی دیگر مجتہدین کی طرح ایک مجتہد ہے، ان سے بھی خطا ہو سکتی ہے، لہٰذا اُن کی تقلید واجب نہیں۔ نیز تقلید کے بطلان پر جو دلائل قائم ہیں وہ صحابہ پر بھی منطبق ہوتے ہیں اور چونکہ تابعین کا اختلاف صحابہ کے اقوال کے مقابل میں معتبر سمجھا گیا ہے، اس لیے ایک صحابی کا قول دوسرے پر حجت نہیں بن سکتا۔ مزید یہ کہ شرعی دلائل صرف پانچ ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس، اور استصحاب۔ قولِ صحابی ان میں شامل نہیں۔ اور اگرچہ صحابی افضل، اعلم اور اتقیٰ ہیں، مگر یہ فضیلت بعد کے مجتہدین پر اُن کے قول کو لازم الاتباع نہیں بناتی۔" (ابن القیم، 1440 ھ، رقم: 123/4)

امام ابن القیمؒ نے اس پر مزید کہا: اگر کسی صحابی کا قول کسی دوسرے صحابی کے قول کے مخالف نہ ہو، تو اس کی دو صورتیں بنتی ہیں: یا تو اس کا قول صحابہ میں مشہور ہو گیا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اگر وہ مشہور ہو گیا ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک وہ اجماع اور حجت ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ حجت تو ہے مگر اجماع نہیں، اور متکلمین کی ایک چھوٹی سی جماعت اور بعض متاخر فقہاء نے کہا کہ نہ وہ اجماع ہے اور نہ ہی حجت۔ اور اگر اس کا قول مشہور نہ ہوا ہو یا یہ معلوم نہ ہو کہ مشہور ہوا یا نہیں، تو اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا وہ حجت ہے یا نہیں۔ جمہور امت کا موقف یہ ہے کہ وہ حجت ہے، یہی جمہور حنفیہ کا قول ہے اور محمد بن الحسن نے اس کی صراحت کی ہے اور اسے امام ابو حنیفہ سے نصاً روایت کیا ہے۔ یہی امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے، اور امام مالک کے "موطا" میں ان کا طرزِ عمل اس پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح یہ امام اسحاق بن راہویہ اور امام ابو عبید کا بھی قول ہے، اور امام احمد سے متعدد مقامات پر یہی نص منقول ہے اور انکے اکثر اصحاب کا بھی یہی انتخاب ہے۔ یہی امام شافعی کا بھی قول ہے، خواہ ان کے قدیم یا جدید مذہب میں دیکھا جائے۔ قدیم مذہب میں تو ان کے اصحاب اس پر متفق ہیں، اور جدید مذہب میں ان کے بعض تلامذہ نے ان سے نقل کیا ہے کہ صحابی کا قول حجت نہیں، لیکن یہ نقل ظاہر طور پر محلِ نظر ہے، کیونکہ امام شافعی کے نئے مذہب میں ایک بھی ایسا لفظ محفوظ نہیں جس میں انھوں نے کہا ہو کہ صحابی کا قول حجت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے نئے مذہب میں بعض صحابہ کے اقوال ذکر کیے اور ان کے خلاف فتویٰ دیا، مگر اگر انکے نزدیک صحابی کا قول بالکل حجت نہ ہوتا تو وہ اسے بطورِ دلیل ذکر ہی نہ کرتے۔ یہ استدلال بہت کمزور ہے،

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

کیونکہ کسی مجتہد کا کسی خاص دلیل کو کسی اور زیادہ قوی دلیل کے مقابلے میں ترک کر دینا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اصولاً اسے دلیل نہیں مانتا، بلکہ اس نے صرف اس خاص موقع پر ایک قوی تر دلیل کو ترجیح دی۔(ابن القیم ، 1440 ھ ، رقم : 120/4)

قولِ صحابی کی حجیت کے دلائل

امام ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین میں اس بارے میں بڑی تفصیل سے دلائل و توجیہات ذکر کی ہیں اور مخالفین کے شبہات کا جواب دیا ہے۔ دوسری طرف امام شاطبیؒ نے بھی الموافقات میں یہی مؤقف اختیار کیا ہے کہ صحابہ کی سنت بھی ایک ایسی سنت ہے جس پر عمل واجب ہے اور جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔[8]

اُن کے دلائل میں سے چند درج ذیل ہیں:

- **نبی ﷺ کے ارشادات میں صحابہ کی اتباع کا حکم:**

نبی ﷺ نے فرمایا:(فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسّكوا بها وعضّوا عليها بالنواجذ) (الترمذی ، 1395ھ ، رقم: 2676)"تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔"

اسی طرح فرمایا:(تفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة، كلها في النار إلا واحدة، قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي) (الترمذی ، 1395ھ ، رقم: 2640)"میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سب جہنم میں ہوں گے سوائے ایک کے، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: وہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے۔"

- **صحابہ کا مشاہدہ اور براہِ راست شرکت:**

امام شاطبی نے الموافقات میں فرمایا: وہ نبی ﷺ کے ساتھ تمام واقعات، احکام اور وحی کے نزول کے عینی شاہد تھے، لہٰذا اُنہیں ایسے قرائن و اسباب کا علم تھا جن تک بعد والوں کی رسائی ممکن نہیں۔ اس لیے اُن کی رائے و فہم کا اعتبار کرنا لازم ہے، کیونکہ "الشاهد يرى ما لا يرى الغائب" "دیکھنے والا وہ دیکھتا ہے جو غیر حاضر نہیں دیکھ سکتا۔"(الشاطبی، 1424ھ ، رقم: 128/4)

یہ تمام دلائل اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ صحابہؓ کے اقوال شریعت میں حجت و قابلِ استدلال ہیں، جب تک کہ اُن کے خلاف کسی صحابی کا قول یا واضح نص موجود نہ ہو۔

[8] الشاطبی ، 1424ھ ، رقم: 446/4 - 463

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

صحابہ کے آثار سے استدلال کا منہج

جب ہم یہ بات جان چکے کہ "قولِ صحابی" حجت ہے—یہی صحیح قول ہے—اور یہی موقف زیادہ تر سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کا ہے، اگرچہ اکثر اصولیوں اور ان کے پیروکاروں نے اس سے اختلاف کیا ہے، تو اب ہم مختصر طور پر اس معاملے سے متعلق چند بنیادی مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو علمانے بیان کی ہیں۔

اگر قولِ صحابی ایسی بات پر مشتمل ہو جس میں رائے یا اجتہاد کی گنجائش نہ ہو تو وہ قول حکماً مرفوع کے درجہ میں ہو گا، جیسا کہ اصولِ حدیث میں طے ہے۔ ایسا قول قیاس پر مقدم ہوتا ہے اور نص کی تخصیص کا باعث بن سکتا ہے، بشرطیکہ وہ صحابی اسرائیلی روایات لینے میں معروف نہ ہو۔ بیشتر اصولیوں نے اس منہج کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔

اگر قولِ صحابی ایسی بات میں ہو جس میں رائے کی گنجائش ہو، لیکن اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہو جائے تو یہ بالاجماع حجت ہے، کیونکہ یہ صحابہ کے اجماع میں داخل ہے، جو بعد کے ادوار کے اجماع کی بنیاد ہے۔

اگر قولِ صحابی ایسی بات میں ہو جس میں رائے کی گنجائش ہو اور اس پر اجماع بھی نہ ہو تو اس کی چند صورتیں ہیں:

(1) ایک صحابی کا دوسرے صحابی پر قول

ایک صحابی کا قول دوسرے صحابی پر حجت نہیں اور اس پر علماء کا اجماع ہے، جیسا کہ ابنِ عقیل نے شرح الکوکب المنیر میں نقل کیا ہے۔

(2) ایک صحابی کا قول اگر پھیل گیا اور کسی نے اس کی مخالفت نہ کی

تو اسے اجماعِ سکوتی کہا جاتا ہے، اور یہ اکثر علماء کے نزدیک حجت ہے۔

(3) ایک صحابی کا قول اگر زیادہ مشہور نہ ہوا

تو وہ قیاس پر مقدم ہو گا اور یہی موقف چاروں ائمہ (ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ) کا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان تمام صورتوں کو ایک جامع انداز میں بیان کیا ہے، ان کا یہ قول مجموع الفتاوی میں موجود ہے:

"اگر صحابہ کے اقوال مشہور ہو جائیں اور انکار کے بغیر رائج ہوں تو وہ جمہور علماء کے نزدیک حجت ہیں اور اگر ان میں اختلاف ہو تو فیصلہ اللہ اور رسول کی طرف لوٹایا جائے گا۔ کسی ایک صحابی کا قول، دوسرے کی مخالفت کے ہوتے ہوئے، اجماعی طور پر حجت نہیں۔ البتہ اگر کسی صحابی نے کوئی قول کہا، کسی نے اس کی مخالفت نہ کی اور وہ زیادہ مشہور بھی نہ ہوا، تو اس میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء، مثلاً امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد (مشہور روایت کے مطابق) اور امام شافعی (اپنے ایک قول میں) اس کو حجت مانتے ہیں۔"[9]

مساجد کی تزیین و آرائش کرنا

- **حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي فَزَارَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى)**

یزید بن الاصم نے سیدنا عبد اللہ بن عباس ؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں: "تم (مسجدوں کو) اسی طرح مزین و آراستہ کرو گے، جیسے یہود و نصاریٰ نے (اپنی عبادت گاہوں کو) مزین کیا تھا۔"[10]

---

[9] ابن تيمية ، 1425 هـ ، رقم: 14/20

[10] ابن أبي شيبة، 1436هـ، رقم:3178؛ أبوداؤد،1323هـ، رقم:448؛ بيهقي،1424هـ، رقم:438/2

حکم: اس کی سند صحیح ہے۔

تعلیق: مساجد کا صاف ستھرا ہونا تو ضروری ہے مگر بے جا زیبائش کسی طور پر بھی جائز و مناسب نہیں، کیونکہ یہ فضول خرچی بھی ہے اور اس سے خشوع و خضوع میں بھی کمی واقع ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے مساجد کی تزین و آرائش سے منع کیا ہے۔

سعید بن ابی سعید اپنے والد سے نقل کرتے ہے وہ فرماتے ہیں: **(إِذَا زُوِّقْتُمْ مَسَاجِدَكُمْ وَحَلَّيْتُمْ مُصَاحِفَكُمْ فَالضَّبَرُ عَلَيْكُمْ)**(ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:3179)"جب تم اپنی مسجدوں کو زینت دوگے اور اپنی مصاحف کو آراستہ کروگے تو تم پر وبال اور سختی آجائے گی۔" یہ اثر حسن ہے کیونکہ اس روایت میں "ابن عجلان اور ابو خالد" اہل صدوق میں سے ہیں۔

لیث نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ سیدنا ابن عمر τ نے فرمایا: **(نُهِينَا أَوْ نَهِينَا أَنْ نُصَلِّيَ فِي مَسْجِدٍ مُشَرَّفٍ)**(ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:3185)"ہمیں منع کیا گیا یا ہم خود اس عمل سے رک گئے کہ ہم کسی مسجد میں نماز پڑھیں جہاں غیر معمولی سجاوٹ کی گئی ہو۔" اس کی سند "لیث" کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خلاصۃ القول: مساجد کی زیبائش اور تزئین و آرائش کوئی مستحسن عمل نہیں ہے بلکہ مسجد کی پاکیزگی اور اس کا تقدس و احترام زیادہ ضروری ہے۔ صحابہ کرام مساجد کی بے جا تزین و آرائش سے منع فرمایا کرتے تھے اور ایسی مساجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے جسے غیر معمولی طور پر سجایا گیا ہو۔

مسجد بنانے والوں کے لیے اجر و ثواب

- **حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ قال: حدثنا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ عن يَزِيدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُسَامَةَ عن الوَلِيدِ بْنِ أَبِي الوَلِيدِ عن عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرَاقَةَ عن عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أنه قال: (سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: (مَن بَنَى مَسْجِدًا يُذْكَرُ فِيهِ اسْمُ اللهِ بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ)**

عثمان بن عبد اللہ بن سراقہ نے سیدنا عمر بن الخطاب τ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا: جو شخص ایسی مسجد بنائے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناتا ہے۔[11]

[11] ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:3188؛ ابن ماجه،1430ھ، رقم:735؛ احمد،ھ،رقم:126

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

حکم: اس کی سند صحیح ہے۔

تعلیق: مسجد بنانے والوں کے لیے اجر و ثواب بہت زیادہ ہے کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر میں حصہ ڈال کر عبادت کے مقام کو قائم کیا ہے جہاں لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی روحانی زندگی کو سنوار سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں مسجد بنائے، چاہے وہ چھوٹی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ مسجد کی تعمیر اور اس کی خدمت کرنے والا ہمیشہ جاریہ صدقہ کا حصہ دار رہتا ہے کیونکہ وہاں کی عبادات اور دعاؤں کا ثواب اس کے لیے مسلسل لکھا جاتا ہے۔ اس لیے مسجد بنانے والے نہ صرف دنیا میں عزت و مقام پاتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی عظیم جزا کے حق دار ہوتے ہیں۔ اس عمل سے مسلمان معاشرہ مضبوط ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

عثمان نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **(مَن بَنَى مَسْجِدًا وَلَوْ مَفْحَصَ قَطَاةٍ بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ)**(ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:3190)"جو شخص مسجد بنائے، چاہے وہ کبوتروں کے قدم کے نشان کے برابر چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناتا ہے۔" اس کی سند صحیح ہے۔

ابراہیم التیمی اپنے والد سے، روایت نقل کرتے ہے کہ سیدنا ابوذر نے فرمایا: **(مَن بَنَى لله مَسْجِدًا وَلَوْ مِثْلَ مَفْحَصِ قَطَاةٍ بَنَى لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ)**(ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:3186)"جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے، چاہے وہ کبوتروں کے قدم کے نشان کے برابر چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناتا ہے۔" اس کی سند منقطع ہے اس روایت میں "اعمش" راوی مدلس راوی ہے۔

خلاصۃ القول: مسجد بنانے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عظیم اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔ یہ عمل صدقہ جاریہ کا درجہ رکھتا ہے، کیونکہ مسجد میں ہونے والی عبادات اور دعاؤں کا ثواب مسجد بنانے والے کے لیے مسلسل جاری رہتا ہے۔ مسجد کی تعمیر سے نہ صرف فرد کی آخرت سنورتی ہے بلکہ یہ مسلمان معاشرے کی روحانی اور اجتماعی مضبوطی کا باعث بھی بنتی ہے۔ اس لیے مسجد بنانے والے کو دنیا و آخرت میں عظیم عزت و مقام ملتا ہے اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ جاریہ کی ایک بہترین شکل ہے۔

نماز میں سترہ رکھنا

- **حَدَّثَنَا ابْنُ عَلَيَّةَ عَنْ يُونُسَ عَنْ حَمِيدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: (قَالَ النَّبِيُّ ﷺ "إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَإِنَّهُ يَسْتُرُهُ إِذَا كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ)**

عبد اللہ بن صامت نے سیدنا ابوذر سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو اس کے آگے ایسی چیز ہونی چاہیے جو اس کی پردہ داری کرے، جیسے اونٹ کی کمر کے برابر۔"[12]

حکم: اس کی سند صحیح ہے۔

تعلیق: نماز میں سترہ رکھنا سنت ہے، خاص طور پر جب کوئی کھلی جگہ یا مسجد میں تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔ سترہ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو نمازی کے آگے رکھی جائے تاکہ لوگ اس کے سامنے سے گزرنے سے بچیں، جیسے دیوار، ستون، لاٹھی یا کوئی اور چیز جس کی اونچائی کم از کم ایک

[12] ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2873؛ مسلم ، 1334ھ ، رقم: 510؛ أحمد ، 1421ھ ، رقم:1388

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

بالشت (تقریباً ایک فٹ) ہو اور وہ نمازی کے سجدے کی جگہ کے برابر ہو۔ نبی کریم ﷺ ہمیشہ سترہ رکھ کر نماز پڑھتے تھے اور صحابہ کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔ سترہ کے بغیر نماز پڑھنا جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے اور اس سے نماز میں خشوع متاثر ہوتا ہے۔ اگر سترہ رکھا ہو تو سامنے سے گزرا جا سکتا ہے، جبکہ بغیر سترہ کے نماز کے آگے سے گزرنا گناہ ہے۔ لہٰذا نماز میں سترہ رکھنا ادب، توجہ اور سنت کی پیروی کے لیے اہم ہے۔

موسی بن طلحہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(إِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يُصَلِّي مِثْلَ مُؤَخَّرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يُبَالِي مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذَلِكَ)**(ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2872)"جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو اور وہ اپنے سامنے ایسی چیز رکھے جو آخری اونٹ کی کمر کی طرح ہو، تو نماز پڑھ لے اور اسے اس بات کی فکر نہ ہو کہ کوئی اس کے پیچھے سے گزرے۔" یہ اثر حسن ہے کیونکہ "ساک" اہل صدوق میں سے ہے۔

اسود سے منقول ہے، وہ بیان کرتے ہیں: **(رَأَيْتُ عُمَرَ يَرْكِزُ عَانَزَةً ثُمَّ صَلَّى إِلَيْهَا وَالظَّعْنُ تَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ)** (ابن أبي شيبة، 1416ھ، رقم:2877)"میں نے عمر کو دیکھا کہ وہ ایک عنزہ گاڑھ کر اس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے اور اونٹنیوں کا قافلہ ان کے سامنے سے گزر رہا تھا۔" اس کی سند صحیح ہے۔

ابو عبید اللہ نے ابو ہریرہ τ سے سنا کہ انھوں نے فرمایا: **(يَسْتُرُ الْمُصَلِّي فِي صَلَاتِهِ مِثْلَ مُؤَخَّرَةِ الرَّحْلِ فِي حُلَّةِ السَّوْطِ)**(ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2878)"نماز پڑھنے والا اپنی نماز میں اپنی جسمانی جگہ (مقام) کو اس طرح چھپاتا ہے جیسے سوٹ کی جوتی میں پیچھے کی طرف حصہ چھپتا ہے۔" اس کی سند صحیح ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہے: **(رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَدْ نَصَبَ عَصًا يُصَلِّي إِلَيْهَا)** (ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2881)"میں نے مسجد حرام میں انس بن مالک کو دیکھا کہ انہوں نے ایک لکڑی گاڑھی اور اس کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے۔" اس کی سند صحیح ہے۔

نمازی کے آگے سے گزرنا ایک سنگین جرم ہے، نبی کریم ﷺ نے اس کی بڑی وعید بیان فرمائی ہے، سیدنا ابو جہیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَا يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَإِنَّهُ إِذَا مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَإِنَّهُ يَحْسُرُ فِيهِ وَإِذَا فَعَلَ فَإِنَّهُ يَحْسُرُ فِيهِ قُدُمًا، قَالَ وَإِنَّهُ لَيَرَىٰ أَنْ يَحْتَمِلَ أَمَّا مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَإِذَا كَانَ يَعْلَمُ قُدُمًا أَنْ تَقُومَ فِي النَّاسِ فِي الْمُدَّةِ فَيَقِرُّ فِي قُدُمٍ إِلَّا قَالَ أَبِي إِسْمَاعِيلِ أَحْدَثَ أَبُو نَضْرٍ فِي حُجَّةٍ نَحْوَ جَمِيعِهُ)[13]

"اگر کوئی نمازی اپنے سامنے سترہ رکھے تو کسی کو اس کے سامنے سے نہیں گزرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص جان جائے کہ اس کے سامنے سے گزرنا کتنا بڑا گناہ ہے، تو وہ اس کے مقابلے میں چالیس دن، چالیس مہینے، یا چالیس سال تک کھڑے رہنے کو بہتر سمجھنے گا۔"

خلاصۃ القول: نماز میں سترہ رکھنا سنتِ نبوی ﷺ ہے اور اس سے نماز میں خشوع، یکسوئی قائم رہتی ہے۔ سترہ ایسی چیز ہونی چاہیے جو کم از کم ایک بالشت اونچی ہو اور نمازی کے سامنے سجدے کی جگہ کے سامنے رکھی جائے، جیسے لاٹھی، دیوار یا ستون۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ہمیشہ سترہ رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔ اگر سترہ رکھا ہو تو سامنے سے گزرنے والا گناہ سے بچ جاتا ہے، بصورتِ دیگر گزرنا

[13] بخاری1422 ھ ، رقم: 506

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

شدید گناہ ہے۔ سترہ رکھنے سے نماز کی حفاظت اور خشوع میں اضافہ ہوتا ہے، اس لیے ہر نمازی کو چاہیے کہ نماز میں ضرور سترہ رکھے۔ یہاں گزرنے والے کو بھی اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر بندے کو اس گناہ کا پتا چل جائے تو وہ چالیس تک انتظار کرے اور نمازی کے آگے سے نا گزرے۔

سترہ کے بغیر نماز پڑھنا

- حَدَّثَنَام أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: (جِئْتُ أَنَا وَالْفَضْلُ عَلَىٰ أَتَانٍ وَالنَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَمَرَرْنَا عَلَىٰ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْنَا وَتَرَكْنَاهَا تَرْتَعُ فَلَمْ يَقُلْ لَنَا شَيْئًا)

عبید اللہ نے سیدنا ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں اور فضل ایک گدھی پر سوار ہو کر آئے اور نبی کریم ﷺ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھا رہے تھے، ہم کچھ صف کے قریب سے گزرے اور نیچے اُتر کر اسے کھلا چھوڑ دیا، وہ چرنے لگ گئی پھر نبی کریم ﷺ نے ہمیں کچھ نہیں کہا۔"[14]

حکم: اس کی سند صحیح ہے۔

تعلیق: بغیر سترہ کے نماز پڑھنا ناپسندیدہ عمل ہے، خاص طور پر کھلی جگہ یا ایسی جگہ جہاں سے لوگوں کے گزرنے کا امکان ہو۔ نبی کریم ﷺ نے سترہ رکھ کر نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر نمازی سترہ کے بغیر نماز پڑھتا ہے اور کوئی اس کے آگے سے گزرے، تو گزرنے والے پر گناہ ہے اور بعض صورتوں میں اس سے نمازی کی نماز کے خشوع و خضوع میں خلل آتا ہے۔ خاص طور پر تنہا نماز پڑھنے والے کو سترہ ضرور رکھنا چاہیے، تاکہ اس کی نماز محفوظ اور سنت کے مطابق ہو۔ جب امام سترہ رکھ کر نماز پڑھا رہا ہو، تو اس وقت نمازیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے اور گناہ بھی نہیں ہے، کیونکہ اس وقت امام کا سترہ تمام نمازیوں کے لیے کفایت کرے گا، لیکن جب امام سلام پھیر دے تو پھر نمازیوں کے آگے سے گزرنا ناجائز ہے۔ یہی بات مذکورہ بالا اثر میں سیدنا عباس بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے صف ک آگے سے گزرنے پر نبی ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔

یحییٰ بن الجزار نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا: **(صَلَّى رَسُولُ اللهِ فِي فَضَاءِ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ شَيْءٌ)** (ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2894) "رسول اللہ ﷺ نے کھلے میدان میں نماز پڑھی جہاں ان کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا۔" اس کی سند منقطع ہے "حجاج" مدلس کی وجہ ہے۔

خلاصۃ القول: بغیر سترہ کے نماز پڑھنا جائز تو ہے، مگر ناپسندیدہ عمل ہے، خاص طور پر ایسی جگہ جہاں سے گزرنے کا اندیشہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے سترہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دی تاکہ نمازی کی توجہ، خشوع و خضوع اور نماز کی حفاظت قائم رہے۔ البتہ اگر باجماعت نماز پڑھی جا رہی ہو تو امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے بھی کفایت کرے گا۔

[14] ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2893؛ مسلم ، 1334ھ ، رقم: 504 ؛ بخاری، 1422ھ ، رقم:4412

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

نماز کے دوران سترہ کا فاصلہ

- **حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ، قَالَ: نَحْنُ سُفْيَانَ بْنُ عِيَانَةَ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، يُبَلِّغُهُ، قَالَ (إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا،لَا يُقَطِّعِ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ)**

سیدنا سہل بن ابی حثمہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی سترہ کے قریب نماز پڑھے تو اس کے قریب ہو جائے، تاکہ شیطان اس کی نماز کو کاٹ نہ سکے۔"[15]

حکم: اس کی سند صحیح ہے۔

تعلیق: نماز کے دوران سترہ کا فاصلہ سنت کے مطابق اس قدر ہونا چاہیے کہ نمازی جب سجدے میں جائے تو اس کا سر سترہ کے قریب ہو، یعنی سجدے کی جگہ، تاکہ نمازی کے آگے سے کوئی نہ گزرے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت بھی یہی تھی کہ آپ ﷺ سترہ کے قریب نماز پڑھتے، لہٰذا اس کا لحاظ رکھنا نماز کے خشوع اور سنت کی پیروی کے لیے ضروری ہے۔

عبد الرحمن بن ابو سعید الخدری τ نے اپنے والد سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَتِهِ وَلْيَدْنُ مِنْهَا وَلَا يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا، فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يَمُرُّ فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ)** (ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم: 2903) "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو وہ اپنی سترہ (نماز کے سامنے رکھنے والی چیز) کے قریب پڑھے اور اس کے بہت قریب ہو جائے اور کسی کو اپنے اور سترہ کے درمیان سے گزرنے نہ دے، اگر کوئی گزرنے کی کوشش کرے تو اسے روک دے اور لڑائی کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔" اس کی سند حسن ہے کیونکہ اس روایت میں دو راوی "ابو خالد اور ابن عجلان" اہل صدوق میں سے ہیں۔

ابو عبیدۃ نے اپنے والد سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں: **(لَا تُصَلِّيَنَّ وَبَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَجْوَةٌ، تَقَدَّمْ إِلَى الْقِبْلَةِ أَوِ اسْتَتِرْ بِسَارِيَةٍ)** (ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2904) "تم نماز نہ پڑھو جب تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی خلا (خالی جگہ) ہو، بلکہ قبلہ کے قریب ہو جاؤ یا کسی ستون کے پیچھے چھپ جاؤ۔" اس کی سند منقطع ہے کیونکہ "ابو عبیدۃ" نے اپنے والد سے نہیں سنا اور "لیث" کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

مسلم نے ابن عمر سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں: **(إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرِهِ وَلْيَدْنُ مِنْهَا كَيْلَا يَمُرَّ الشَّيْطَانُ أَمَامَهُ)** (ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2905) "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو وہ اپنی سترہ کے قریب پڑھے اور اس کے قریب ہو جائے تاکہ شیطان اس کے سامنے سے گزر نہ سکے۔" اس کی سند منقطع ہے کیونکہ "مسلم" نے "ابن عمر τ" سے نہیں سنا۔

خلاصۃ القول: نماز کے دوران سترہ کا فاصلہ مختصر اور مقرر ہونا چاہیے تاکہ نماز میں خشوع باقی رہے اور کوئی شخص یا شیطان نمازی کے سامنے سے گزر کر اس کی توجہ نہ ہٹا سکے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی سنت یہ تھی کہ سترہ سجدہ کی جگہ کے پاس ہی ہوتا۔ اس لیے سترہ کو قریب رکھنا سنت اور حفاظتِ نماز کے لیے ضروری ہے۔ اگر کوئی درمیان سے گزرنے لگے تو اسے روکنا بھی جائز ہے، کیونکہ وہ شیطانی عمل ہے۔

[15] ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2902 ؛ أحمد ، 1421ھ ، رقم: 16090؛ أبي داؤد، 1323ھ ، رقم:695

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

نماز کی چابی، نماز کا آغاز اور اختتام

- حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ ابْنِ كُرَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:(مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ).

سیدنا عبد اللہ بن عباس τ فرماتے ہیں: "نماز کی چابی طہارت ہے اور اس کا آغاز تکبیر تحریمہ سے اور اس کا اختتام سلام پھیرنا ہے۔"[16]

حکم: یہ اثر حسن لغیرہ ہے کیونکہ اس میں "رشدین بن کریب بن ابی مسلم القرشی" راوی کو حافظ ابن حجر نے تقریب میں ضعیف قرار دیاہے۔(ابن حجر ، رقم: 251/1) لیکن یہ اپنے شواہد کی وجہ سے حسن لغیرہ ہے۔

تعلیق: نماز کی اہمیت کے بارے میں سیدنا عبد اللہ بن عباس τ نے فرمایا: طہارت نماز کی چابی ہے، اس کا آغاز تکبیر تحریمہ سے اور اختتام سلام پھیرنے سے ہو گا اور بالکل انہی الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنن ابو داوٗد میں موجود ہے جسے علامہ البانی نے حسن صحیح کہاہے۔

سیدنا علی المرتضی τ مرفوع روایت بیان کرتے ہیں: **(مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ)** (أبو داوٗد، 1323ھ، رقم:61) "نماز کی چابی طہارت ہے اور اس کا آغاز تکبیر سے جبکہ اختتام سلام سے ہوتا ہے۔" یہ اثر "ابن عقیل" کی وجہ سے مجہول ہے۔ بالکل انہی الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی مصنف ابن اَبی شیبہ میں موجود ہے۔(ابن أبي شيبة، 1416ھ ،رقم:2395)

مصنف ابن اَبی شیبہ میں سیدنا ابوالدرداء τ کا قول ہے: (لِكُلِّ شَيْءٍ شِعَارٌ، وَشِعَارُ الصَّلَاةِ التَّكْبِيرُ) (ابن أبي شيبة، 1416ھ ، رقم:2398) "ہر چیز کا ایک شعار ہوتا ہے اور نماز کا شعار تکبیر ہے۔" اس کی سند منقطع ہے، کیونکہ سالم بن ابو الجعد نے سیدنا ابوالدرداء کو نہیں پایا۔

مذکورہ بالا اقوال صحابہ سے مسئلہ مزید واضح ہو گیا کہ "تکبیر تحریمہ" نماز کے شعار میں سے ہے، اس لیے اس سے آغاز ضروری ہے، تاہم اختتام کے لیے سلام بھی ضروری ہے، سیدنا علی τ سے مروی ہے کہ نماز کا آغاز تکبیر تحریمہ سے اور اختتام سلام سے ہو گا۔(أبو داوٗد، 1323ھ ، رقم:61) شیخ البانی نے اس کی سند کو حسن صحیح کہاہے۔یعنی سلام پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز مکمل ہو چکی ہے، یعنی اب آپ نماز کی پابندیوں سے آزاد ہو چکے ہیں، اس مسئلے کی مزید وضاحت یہ ہے کہ جب امام سلام پھیر دے تو جو لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے ہیں ان کو بھی سلام پھیرنا ہو گا کیونکہ نماز مکمل ہو چکی ہے۔(ابن أبي شيبة، 1416ھ، رقم: 2401)

خلاصۃ القول: **مذکورہ بالا آثار صحابہ اور احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ:**

طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہو گی۔

[16] ابن أبي شيبة، 1416ھ ، رقم: 2396 ؛ عبد الرزاق، 1403ھ ، رقم:2539 ؛ الطبراني، 1976ء، رقم:11369

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

نماز کا آغاز تکبیر تحریمہ سے ہو گا

نماز کا اختتام سلام پھیرنے سے ہو گا۔ مزید یہ کہ تمام مقتدیوں کو بھی امام کی اقتدا میں سلام پھیرنا ہو گا۔

تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھوں کو اُٹھانا

- **حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ: (أَنَّ عُمَرَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ)**

اسود بیان کرتے ہیں: ”سیدنا عمر بن خطاب τ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اُٹھاتے۔“[17]

حکم: اس اثر کی سند صحیح ہے۔

تعلیق: مذکورہ بالا اثر میں سیدنا عمر بن الخطاب τ کا عمل ذکر کیا گیا ہے کہ جب وہ تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اُٹھاتے۔ اس حوالے سے سیدنا عبداللہ بن عمر τ کا قول بھی صحیح سند سے ان ہی الفاظ کے ساتھ مروی ہے ۔ (ابن أبي شيبة، 1409ھ ، رقم:2429)

مذکورہ بالا اقوال صحابہ سے ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اُٹھانا سنت ہے کیونکہ صحابہ کرام نے نماز براہ راست محمد ﷺ سے سیکھی ہے ،یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر τ سے صحیح حدیث مروی ہے: **(رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ مَنْكِبَيْهِ)** (ابن أبي شيبة ، 1416ھ ، رقم: 2424) سیدنا عبداللہ بن عمر τ فرماتے ہیں: ”میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جب نماز کا آغاز کیا تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اُٹھایا۔“ اس کی سند صحیح ہے۔

بالکل انہی الفاظ کے ساتھ سیدنا سلیمان بن یسار τ سے بھی حدیث مروی ہے۔(ابن أبي شيبة، 1416ھ، رقم:2436)

مذکورہ بالا آثار اور احادیث مبارکہ کے علاوہ کانوں کے برابر ہاتھ اُٹھانے کا تذکرہ بھی موجود ہے جیسے سیدنا مالک بن الحویرث τ فرماتے ہیں: **(رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ)**(ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2427) ”میں نے خود نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھایا یہاں تک کہ کانوں کی لوئیوں کے برابر لائے۔“ اس کی سند صحیح ہے۔

بالکل اسی مفہوم کے ساتھ سیدنا براء ابن عازب τ سے بھی مروی ہے۔(ابن أبي شيبة، 1409ھ، رقم:2426)

عمرو بن شرحبیل ہمدانی، کوفی مخضرم بیان کرتے ہیں: ”صحابہ کرام ψ جب نماز کا آغاز کرتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر اُٹھاتے۔“(ابن أبي شيبة، 1409ھ، رقم:2433)

[17] ابن أبي شيبة ، 1416ھ ، رقم: 2428؛ عبد الرزاق، 1403ھ ، رقم:2532؛ بيهقي،1424ھ ، رقم: 2345

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

خلاصة القول : مذکورہ بالا اقوال صحابہ اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر، یاکانوں کے برابر اُٹھانا سنت رسول ہے، گویا کہ دونوں ہی طریقے مسنون ہیں۔ البتہ احادیث و آثار میں کانوں کو چھونے یا پکڑنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا

- **حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ مُوَرِّقٍ الْعِجْلِيِّ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: (مِنْ أَخْلَاقِ النَّبِيِّينَ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلَاةِ)**

مورق العجلی نے سیدنا ابو الدرداء τ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہے:" انبیاء علیہم السلام کی خصلتوں میں سے یہ ہے کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے۔"[18]

حکم: اس کی سند صحیح ہے۔

تعلیق: نماز میں قیام کے دوران دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور اُمت کا اس پر عمل متواتر چلا آرہا ہے۔ متعدد صحیح احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں قیام کی حالت میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے۔ لہذا نماز میں قیام کے دوران دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا چاہئے، جس پر صحابہ، تابعین اور فقہاء کا عملی اتفاق ہے۔

غزوان بن جریر ضبی اپنے والد سے روایت کرتے ہے وہ بیان کرتے ہیں: **(كَانَ عَلِيٌّ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى رُسْغِ يَسَارِهِ، وَلَا يَزَالُ كَذَلِكَ حَتَّى يَرْكَعَ، مَتَى مَا رَكَعَ، إِلَّا أَنْ يُصْلِحَ ثَوْبَهُ أَوْ يَحُكَّ جَسَدَهُ)** (ابن أبي شيبة، 1436هـ، رقم: 3983) "سیدنا علی τ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھتے اور رکوع تک اسی حالت پر رہتے، جب تک کہ کوئی کپڑا درست کرنا یا بدن میں خارش نہ ہو۔" اس کی سند "غزوان" کی جہالت کی وجہ سے مجہول ہے۔

خلاصۃ القول: نماز میں قیام کے دوران دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے، جس پر صحابہ، تابعین، اور ائمہ کا عمل متواتر رہا ہے۔ کئی روایات میں یہ عمل صاف ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور سیدنا علی τ کا عمل بھی اس پر تھا کہ وہ دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھتے اور اسی طرح قیام میں رہتے تھے۔

ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا

- **حَدَّثَنَا عَفَّانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ دِينَارٍ، قَالَ:(كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ إِذَا صَلَّى يُرْسِلُ يَدَيْهِ)**

عمرو بن دینار سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں:" جب سیدنا عبد اللہ بن زبیر τ نماز پڑھتے تو اپنے ہاتھوں کو چھوڑ دیتے (یعنی ہاتھ نہیں باندھتے تھے)۔"

ابن أبي شيبة، 1436هـ، رقم: 3992

حکم: اس کی سند صحیح ہے۔

[18] ابن أبي شيبة، 1436هـ، رقم: 3981

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

تعلیق: نماز میں قیام کے دوران دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا سنتِ ہے اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ متعدد صحابہ کرام τ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھتے تھے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص بلا عذر ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھے، یعنی ہاتھوں کو پہلو میں لٹکائے رکھے، تو بعض صحابہ کے مطابق یہ عمل سنت کے خلاف اور مکروہ ہے۔ البتہ اگر کسی نے عذر کی وجہ سے ہاتھ نہ باندھے (مثلاً جسمانی تکلیف یا معذوری)، تو گنجائش ہے اور نماز درست ہے۔

خلاصۃ القول: نماز کے قیام میں ہاتھ باندھنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور جمہور صحابہ کا یہی عمل رہا ہے۔ البتہ بعض صحابہ، جیسے سیدنا عبد اللہ بن زبیر سے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا بھی منقول ہے، جیسا کہ صحیح سند سے ثابت ہے۔ تاہم، یہ طرز عمل اکثریت کے مقابلے میں شاذ ہے اور جمہور صحابہ کے نزدیک سنت کے خلاف شمار ہوتا ہے، بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو۔ اگر کسی کے ہاتھ باندھنے میں جسمانی عذر ہو، تو ہاتھ چھوڑنے میں گنجائش ہے۔ مگر بلا عذر ہاتھ چھوڑنا خلاف سنت سمجھا گیا ہے۔ اس لیے افضل، سنت اور متواتر طریقہ یہی ہے کہ قیام کی حالت میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا جائے۔

تکبیر اور قراءت کے درمیان سکوت کرنا

- **حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَبَّرَ سَكَتَ بَيْنَ التَّكْبِيرَةِ وَالْقِرَاءَةِ**

ابو زرعہ نے ابو ہریرہ τ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہے: "جب نبی کریم ﷺ تکبیر کہتے تو تکبیر اور قراءت کے درمیان تھوڑی دیر خاموش رہتے تھے۔"[19]

[19] ابن أبي شيبة، 1416ھ، رقم:2866؛مسلم ، 1334ھ ، رقم: 598؛ بخاری، 1422ھ ، رقم:744

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

حکم: اس کی سند صحیح ہے۔

تعلیق: نماز میں تکبیرِ تحریمہ (اللہ اکبر) کے بعد سکوت کرنا (یعنی تھوڑا سا خاموش رہنا) سنت ہے اور یہ سکوت دعائے استفتاح (ابتدائی دُعا) کے لیے ہوتا ہے، جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ متعدد صحابہ کرام، خصوصاً سیدنا ابو ہریرہ τ سے روایت ہے: (كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً قَالَ أَحْسِبُهُ قَالَ هُنَيَّةً فَقُلْتُ: بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ، إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ، مَا تَقُولُ؟ قَالَ: أَقُولُ: اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ) [20]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ اور قرات کے درمیان تھوڑی دیر چپ رہتے تھے۔ ابوزرعہ نے کہا میں سمجھتا ہوں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یوں کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ آپ اس تکبیر اور قرات کے درمیان کی خاموشی کے بیچ میں کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں پڑھتا ہوں:
(اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ) "اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری کر جتنی مشرق اور مغرب میں ہے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک کر جیسے سفید کپڑا میل سے پاک ہوتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے دھو ڈال۔"

عمر بن عبد العزیز بیان کرتے ہیں: **(كَانَتْ لَهُ وَقْفَتَانِ: وَقْفَةً إِذَا كَبَّرَ وَوَقْفَةً إِذَا فَرَغَ مِنْ أُمِّ الْكِتَابِ)** (ابن أبي شيبة، 1416ھ، رقم:2866) "کہ نبی کریم ﷺ دو وقفے کرتے تھے: ایک تکبیر کہنے کے بعد اور دوسرا جب وہ ام الکتاب (سورۃ الفاتحہ) سے فارغ ہوتے تھے۔" اس کی سند صحیح ہے۔

عبد الرحمن الاعرج سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں: **(صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فَلَمَّا كَبَّرَ سَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ)** (ابن أبي شيبة، 1416ھ، رقم:2871) "میں ابو ہریرہ τ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، جب ابو ہریرہ τ نے تکبیر کہی، تو وہ کچھ دیر خاموش رہے، پھر انہوں نے کہا: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو جہان والوں کا رب ہے۔" یعنی انہوں نے دُعائے استفتاح پڑھی۔

خلاصۃ القول: نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد کچھ لمحات کے لیے خاموشی اختیار کرنا سنت ہے۔ یہ وقفہ دعائے استفتاح پڑھنے کے لیے ہوتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ سے ثابت ہے، خصوصاً سیدنا ابو ہریرہ τ کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔ اس سکوت کا مقصد نماز کو وقار اور ترتیب کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ لہٰذا، تکبیر کے فوراً بعد قراءت شروع نہ کرنا بلکہ پہلے استفتاح کی دعا پڑھنا مشروع عمل ہے۔

نماز کے آغاز کی دعائیں

- **حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ : أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ : رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ فَكَبَّرَ ثُمَّ قَالَ : (سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ ، وَتَعَالَى جَدُّكَ ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ)**

[20] بخاری، 1422ھ ، رقم:744

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

اسود بن یزید سے مروی ہے انہوں نے کہا: "میں نے سیدنا عمر بن خطاب τ کو نماز شروع کرتے ہوئے، تکبیر کہتے ہوئے دیکھا، پھر کہا: "اے اللہ تعالیٰ تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ، تیرا نام مبارک ہو، تیری شان بلند ہو، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"[21]

حکم: یہ اثر صحیح ہے "ہشیم بن بشیر بن القاسم بن دینار السلمی" کے بارے میں تدلیس کا الزام ہے مگر اس اثر میں وہ اخبرنا سے روایت کررہے ہیں اس لیے اثر کی صحت قائم ہے۔

تعلیق: سیدنا اسود بن یزید بیان کرتے ہیں میں نے سیدنا عمر بن الخطاب τ کو دیکھا کہ وہ تکبیر تحریمہ کے بعد مختصر سکوت میں (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ ----) پڑھتے ہیں ،اس کے علاوہ سیدنا عبداللہ بن مسعود τ سے بھی اس جیسا قول مروی ہے ۔(ابن أبي شيبة،1416ھ،رقم:2406)

محمد بن عجلان القرشی سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق τ بھی یہی الفاظ نماز میں پڑھتے تھے ۔ (ابن أبي شيبة،1416ھ،رقم:2408)

اس مسئلے کی وضاحت میں مصنف ابن ابی شیبہ میں ایسے ہی الفاظ کے ساتھ سیدنا ابو سعید خدری τ سے مرفوع حدیث مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: (كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ يَقُولُ : سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، تَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ) (ابن أبي شيبة،1416ھ،رقم:2416)"نبی کریم ﷺ نماز کی ابتداء اس طرح کرتے: اے اللہ تعالیٰ! تو پاک ہے اور میں تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتا ہوں، تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

یہی الفاظ سیدنا عمر بن الخطاب τ کی مرفوع حدیث سنن دار قطنی میں ہے۔[22]

اسی طرح سیدنا علی المرتضی τ سے مسلم میں یہ الفاظ منقول ہیں: (أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ:وَجَّهْتُ وَجْهِيَ للذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ . إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ . اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ ، ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ ، وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ . لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ ، وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ . أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ. تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ . وَإِذَا رَكَعَ قَالَ : اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ، خَشَعَ لَكَ سَمْعِي وَبَصَرِي وَمُخِّي وَعَظْمِي وَعَصَبِي . وَإِذَا رَفَعَ قَالَ : اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَاوَاتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ . وَإِذَا سَجَدَ قَالَ : اللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ . سَجَدَ وَجْهِي للذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ ، تَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ، ثُمَّ يَكُونُ مِنْ آخِرِ مَا يَقُولُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيمِ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ)[23]"جب نبی کریم ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو فرماتے: میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، یکسو ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ بیشک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اے اللہ تعالیٰ! تو بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں، پس تو میرے تمام گناہ بخش دے، بے شک تیرے سوا کوئی گناہوں

---

[21] ابن أبي شيبة،1416ھ،رقم:2402؛ عبد الرزاق،1403ھ ، رقم: 2555 ؛ مسلم،1334ھ ، رقم:399
[22] دارقطنی،1424ھ ،رقم:1142
[23] مسلم،1334ھ، رقم: 771

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

کو نہیں بخشتا۔ مجھے بہترین اخلاق کی طرف رہنمائی دے، کیونکہ ان کی طرف صرف تو ہی رہنمائی کرتا ہے اور مجھ سے برے اخلاق دور فرما، کیونکہ ان کو صرف تو ہی دور کرتا ہے۔ میں تیرے حکم پر حاضر ہوں، تیری مدد پر راضی ہوں، ساری بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور برائی تیری طرف منسوب نہیں کی جاسکتی۔ میں تجھ ہی سے ہوں اور تیری ہی طرف (رجوع کرتا ہوں)، تو بابرکت اور بلند ہے۔ میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔"

اسی طرح عبد اللہ بن مسعود τ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ الفاظ منقول ہیں:(إِنَّ مِنْ أَحَبِّ الْكَلَامِ إِلَى اللهِ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ، رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي، فَاغْفِرْ لِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ)(ابن أبي شيبة،1416 ھ، رقم:2418)

"بیشک اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کلمات میں سے یہ ہیں کہ بندہ کہے: اے اللہ تعالیٰ! تو پاک ہے، اور تیری تعریف کے ساتھ (میں تیری تسبیح کرتا ہوں)، تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند ہے، اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، پس تو مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔"

اسود سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: سیدنا عمر τ جب نماز شروع کرتے تو بلند آواز سے یہ الفاظ کہتے، تاکہ ہم سن سکیں:**(سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ)**[24]"اے اللہ تعالیٰ! تو پاک ہے اور میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں اور تیرا نام بہت بابرکت ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔" اس کی سند صحیح ہے۔

امام ابن حجر نے فتح الباری میں جعفر فریابی کے حوالے سے لکھا ہے:**(أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ، فَكَبَّرَ، ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، فَضَرَبَ ابْنُ عُمَرَ مَنْكِبَيْهِ، وَقَالَ: ابْدَأْ بِحَمْدِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ)**[25]

"سیدنا ابن عمر τ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے نماز شروع کی تو اس نے (تکبیر تحریمہ کے بعد) کہا: اے اللہ تعالیٰ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، تو سیدنا ابن عمر τ نے اس کے کندھوں پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اللہ عز وجل کی حمد و ثنا سے ابتدا کرو۔" اس کی سند صحیح ہے۔

خلاصۃ القول: نماز کی ابتداء میں دعائے استفتاح کا پڑھنا ثابت، مسنون اور مشروع عمل ہے، جس پر نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام کا عمل دلالت کرتا ہے۔ اس کے کئی الفاظ مختلف روایات میں وارد ہوئے ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید، تسبیح، حمد و ثنا شامل ہوتی ہے۔ دعائے استفتاح میں اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح، توحید اور صفاتِ جلال و جمال کا بیان ہوتا ہے، جو بندے کے قلب میں خشوع و خضوع پیدا کرتا ہے۔

---

[24] ابن أبي شيبة، 1416ھ، رقم:2404
[25] ابن حجر، رقم: 7\348

فاتحہ سے قبل تعوّذ کے مسنون الفاظ

- حَدَّثَنَا حَفْصٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ : (افْتَتَحَ عُمَرُ الصَّلَاةَ ، ثُمَّ كَبَّرَ ، ثُمَّ قَالَ : سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ ، وَتَعَالَى جَدُّكَ ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ ، أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ، الْحَمْدُ لِلهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ)

اسود : سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں سیدنا عمرؓ جب نماز کا آغاز کرتے تو سب سے پہلے تکبیر کہتے پھر **(سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ ، وَتَعَالٰى جَدُّكَ ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ)** پڑھتے پھر تعوذ پڑھتے تو کہتے کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتاہوں شیطان مردود کے شر سے پھر﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾(سورة الفاتحة:1)"سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جو تمام جہانوں کارب ہے" پڑھتے۔[26]

حکم: اس اثر کی سند صحیح ہے۔

تعلیق: نماز میں حمد وثنا پڑھنے کے بعد سیدنا عمر بن خطابؓ فاتحہ پڑھنے سے قبل تعوذ پڑھتے تھے۔ یہی عمل رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، مسند ابویعلی میں حدیث ہے جس کے راوی سیدنا ابو سعیدؓ ہیں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو تکبیر کہہ کر نماز شروع کرتے اور پھر حمد وثنا پڑھتے پھر تعوذ پڑھتے یعنی **(سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ ، وَتَعَالٰى جَدُّكَ ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ، ثَلَاثًا ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، ثَلَاثًا، أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْثِهِ وَنَفْخِهِ)** "اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے اور تیری حمد کے ساتھ، تیرا نام بابرکت ہے، تیری عظمت بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، بے حد عظیم ہے، میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، اس کی وسوسوں، پھونکوں اور پھونکنے کی حالت سے" پھر سورۃ الفاتحہ کی قرأت فرماتے۔[27] ایسے ہی الفاظ دار قطنی میں بھی ہیں۔[28]

تعوذ کے الفاظ کئی قسم کے وارد ہوئے ہیں جن میں سے ایک تو آپ دار قطنی والی حدیث میں پڑھ چکے ہیں اس کے علاوہ ابن اَبی شیبہ میں یہ الفاظ موجود ہیں ۔**(أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ)**(ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2470)"میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔" **(اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ؛ مِنْ هَمْزِهِ ، وَنَفْخِهِ ، وَنَفْثِهِ)**(ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2475)"اے اللہ تعالیٰ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے، اس کی وسوسوں، پھونکوں اور پھونکنے کی حالت سے۔" **(أَعُوذُ بِاللهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ؛ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ)**(ابن خزيمة،1390ھ ، رقم :467)"میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جو سننے والا، جاننے والا ہے، شیطان مردود سے؛ اس کے وسوسوں، پھونکوں اور پھونکنے کی حالت سے۔" **(أَعُوذُ بِاللهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ، وَأَعُوذُ بِاللهِ أَنْ يَحْضُرُونِ)** (ابن أبي شيبة، 1436ھ، رقم:2474)"میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جو سننے والا، جاننے والا ہے، شیطانوں کے وسوسوں سے اور میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس نہ آئیں۔"

[26] ابن أبي شيبة، 1416ھ ، رقم: 2470؛ عبد الرزاق، 1403ھ ، رقم:2555؛ بيهقي،1424ھ ، رقم: 2387
[27] أبويعلى،306ھ،رقم:1107،ابن أبي شيبة،1416ھ،رقم:2416
[28] الدارقطنى، 1424ھ، رقم: 1142

خلاصۃ القول: مذکورہ بالا اثر اور حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حمد و ثنا کے بعد سورۃ الفاتحہ پڑھنے سے قبل تعوذ پڑھنا مسنون عمل ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا معمول تھا، تعوذ کے لیے چار قسم کے الفاظ ثابت ہیں۔

نتائج:

* آثارِ صحابہ کی حجیت پر امت کا اتفاق ہے۔
* شرعی احکام کے اصل مآخذ قرآن و سنت ہیں، مگر آثارِ صحابہ سے قرآن و سنت کے معانی متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔
* نماز کے بہت سے مسائل میں اختلافات کا حل آثارِ صحابہ کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔
* نماز کے عمومی مسائل میں آثارِ صحابہ کا وافر مقدار میں موجود ہونا، اس کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔
* تجارت اور بیوع کے مسائل میں فقہاء صحابہ کی آراء واقوال جدید معاشی مسائل کو حل کرنے میں معاون ہیں۔
* آثارِ صحابہ کے موضوع پر فقہی موضوعاتی ترتیب سے بھی محققین کی عمدہ خدمات موجود ہیں۔
* آثارِ صحابہ پر کئی اہم مجموعات اور انسائیکلوپیڈیاز بھی ترتیب دیے گئے ہیں۔

مصادر و مراجع:

- ابن ابی شیبۃ ، أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي، مصنف ابن أبي شيبة ، 1427ھ ، دار القبلة۔
- ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، هدي الساري مقدمة فتح الباري، ط٢، 1409ھ، دار الريان، القاهرة۔
- أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، أبو بكر، معرفة السنن والآثار عن الإمام الشافعي، دار الكتب العلمية، بيروت۔
- البخاري، محمد بن إسماعيل البخاري، الجامع الصحيح (صحيح البخاري)، ط٣، 1400ھ، دار ابن كثير، بيروت۔
- الدارقطني، علي بن عمر بن أحمد الدارقطني، سنن الدارقطني، ط٢، 1416ھ، دار المعرفة، بيروت۔
- الزرعي الدمشقي ، شمس الدين محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد الزرعي الدمشقي ، إعلام الموقعين عن رب العالمين ، : 1973م ، دار الجيل ، بيروت
- الشاطبي، إبراهيم بن موسى اللخمي الشاطبي الغرناطي المالكي، الرسالہ، ط خي، 1424ھ، وزارة الشؤون الإسلامية، الرياض۔
- عبدالرزاق صنعانی، عبدالرزاق بن ہمام، المصنف، 1970ء، المکتب الإسلامي، بیروت۔
- عبدالسلام وعبدالحليم وأحمد بن عبدالحليم آل تيمية، المسودة في أصول الفقه، دار المدني، القاهرة۔
- مسلم، مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري، الجامع الصحيح (صحيح مسلم)، ط٢، 1412ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت۔
- مسلم، مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري، الجامع الصحيح (صحيح مسلم)، ط٢، 1412ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت